زوجین کے درمیان منافرت کی صورت میں قاضی اور حکم کے اختیارات

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

نکاح ایک پاکیزہ اور پائیدار بندھن ہے۔اس کی بنیاد باہمی الفت ومحبت اور سکون وطمانیت پر ہے۔ (الروم: ۱۱) اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور بعض اختلافات اورناپسندیدگی کوانگیز کرنا چاہیے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً۔ (النساء:۱۹)

اور عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ گذر بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کوناپسند کرواوراللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

اوراللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا يفرک مؤمن مومنة ان كره منها خلقاً رضی منها خُلُقاً آخر ۔[۱]

کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے جدائی اختیار نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی،تو کچھ چیزیں پسندیدہ بھی ہوں گی۔

نیز آپؐ نے فرمایا:

ايما امرء ة سألت زوجها طلاقاً من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة ۔[۲]

جوعورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس کے لیے جنت کی خوشبوحرام ہے۔

لیکن کبھی محبت کے اس رشتے میں تلخی آ جاتی ہے، الفت اور چاہت کی جگہ دل میں نفرت بیٹھ جاتی ہے اوراصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں۔ ایسی صورت میں ایک

ناخوش گوار ضرورت کے تحت جدائی کی اجازت دی جاتی ہے۔ اگر شوہر اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ طلاق دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ اس رشتہ کو ختم کردے اور اگر عورت محسوس کرتی ہے کہ اب اس کے لیے اس رشتہ کے تقاضوں پر عمل کرنا دشوار ہے تو وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے، جسے شرعی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے۔ طلاق دینے کی شکل میں مرد مہر کی رقم کا نقصان گوارا کرتا ہے اور خلع لینے کی صورت میں عورت اس رقم سے محرومی برداشت کرتی ہے۔

خلع کی تعریف

قرآن حکیم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے 'لباس' قرار دیا گیا ہے۔ نباہ نہ ہونے کی صورت میں جدائی ایک طرح سے اس لباس کو اتار دینا ہے۔ اس لیے اس کے لیے ایک لفظ 'خلع' بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اتار دینا، کھینچ لینا۔ اصطلاحی اعتبار سے خلع کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

فراق الرجل زوجته علی عوض یحصل له ۔[۳]

کسی شخص کا اپنی بیوی سے کچھ عوض لے کر اسے چھوڑ دینا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

ازالة ملک النکاح المتوقّفة علی قبولها بلفظ الخلع اوما فی معناہ ۔[۴]

خلع یا اس جیسے کسی لفظ کے ذریعہ ملکیتِ نکاح کو اس طور پر ختم کرنا کہ وہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہو۔

خلع میں قاضی کے اختیارات

اگر شوہر یہ محسوس کرتا ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات ایسے مرحلے میں داخل ہوچکے ہیں کہ بظاہر ایک ساتھ رہنے کی کوئی شکل نہیں ہے تو اس کے لیے طلاق کی اجازت ہے، اور اگر یہی چیز بیوی محسوس کرتی ہے کہ اس رشتہ کو باقی رکھنے کی صورت میں اس پر شوہر کے جو حقوق ہیں ان میں کوتاہی ہوگی اور اس کے لیے نباہ کرنا دشوار ہے تو ایسی صورت میں اسے خلع کا مطالبہ کرنے کا حق ہے اور شوہر کے لیے مناسب ہے کہ وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائے اور اس

کے مطالبہ پر اسے خلع دے دے۔ خلع اصلاً باہمی رضا مندی کا معاملہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا۔

(البقرۃ:۲۲۹)

اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی عورتوں کو جو کچھ دے چکے ہو اسے واپس لو، مگر یہ کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے متعین کردہ ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کے ضابطوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اس مال کے سلسلہ میں جو عورت بطور فدیہ دے۔ یہ سب اللہ کے مقرر کردہ ضابطے ہیں، ان سے باہر نہ نکلو۔

مہر وغیرہ دینے کے بعد اسے واپس لینا مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس لیے اسے خیال آ سکتا تھا کہ خلع کی صورت میں بھی اسے واپس لینا صحیح نہ ہو۔ اسی طرح عورت سوچ سکتی تھی کہ پیسہ دے کر چھٹکارا حاصل کرنا شاید باعثِ گناہ ہو۔ اس خیال کی تردید کے لیے کہا گیا کہ اس صورت میں بطور فدیہ عورت کے لیے کچھ دینے اور مرد کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر شوہر خلع کے مطالبہ کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے اور معاملہ قاضی کی عدالت تک آ پہنچے تو وہ پہلے شوہر کو بلا کر اس سے خلع کے لیے کہے۔ اگر اس کے کہنے کے باوجود بھی وہ تیار نہ ہو تو قاضی خود بھی خلع دے سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ مجھے ثابت بن قیس کی دین داری اور اخلاق سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ مسلمان ہو کر ناشکری کا ارتکاب کروں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تم ان کے دیے ہوئے باغ کو واپس کردو گی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے ان کے شوہر سے کہا کہ باغ لے لو اور ایک طلاق دے دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ کے حکم پر انھوں نے اسے خود سے الگ کر دیا۔[۵]

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ خلع کا مطالبہ کرنے والی اس خاتون کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت ثابتؓ کی ایک دوسری بیوی نے بھی ان سے خلع لے لیا تھا۔ ان کا نام حبیبہ بنت سہل تھا۔ ان دونوں واقعات میں اللہ کے رسول ﷺ نے خلع کے لیے حضرت ثابتؓ کی مرضی معلوم نہیں کی، بلکہ صورت حال واضح ہو جانے کے بعد انھیں چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حدیث میں اس کے لیے 'امر' کا لفظ آیا ہے۔ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے وجوب کے لیے ہوتا ہے اور مخاطب پر اس کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ بغیر کسی دلیل کے اسے دوسرے معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہاں اس طرح کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ 'امر' اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے برخلاف یہ دلیل موجود ہے کہ 'امر' اصل معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ عورت کو اچھی طرح سے رکھے یا اسے خوش اسلوبی سے الگ کردے۔ خلع کے مطالبہ کی صورت میں اچھی طرح سے رکھنا دشوار ہو چکا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسے خود سے الگ کردے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو تو پھر قاضی اس ناخوش گوار فریضہ کو انجام دے گا۔[۶]

دوسرے یہ کہ باہمی الفت و محبت اور سکون و اطمینان کے ساتھ خوش گوار زندگی گذارنا نکاح کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اور جب طبعی کراہت اور ناپسندیدگی یا تعلیم اور معیارِ زندگی میں فرق کی وجہ سے عورت محسوس کر رہی ہے کہ اس کے لیے اسلامی حقوق وفرائض کی رعایت کرتے ہوئے خوش گوار زندگی گذارنا دشوار ہے تو ایسی صورت میں قاضی کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ عورت کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کرادے، جیسے کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں قاضی کو تفریق کرادینے کا حق حاصل ہے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ثابتؓ کی غیر موجودگی میں تفریق کا فیصلہ صادر فرمادیا تھا۔ جب انھیں اس کی اطلاع ملی تو بخوشی انھوں نے اس فیصلہ کو قبول کرلیا۔[۷]

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ثابتؓ کے مذکورہ واقعہ میں خلع کا معاملہ ان کی مرضی سے طے پایا تھا، چنانچہ نسائی میں مذکور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ثابت فقال لہ خذ الذی لھا علیک وخلّ سبیلھا قال نعم۔۸	آں حضرت ﷺ نے حضرت ثابتؓ کو ہوایا اور ان سے فرمایا: جو مال ان کا تم پر واجب تھا وہ لے لو اور ان کو چھوڑ دو، حضرت ثابتؓ نے کہا ہاں۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ اگر خلع کا اختیار سلطان کو ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ شوہر سے یہ نہ کہتے کہ خلع کرلو، بلکہ خود ہی خلع کر کے عورت کو الگ کر دیتے اور شوہر کو اس کا باغ واپس کر دیتے۔۹

اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ خلع کا معاملہ حضرت ثابتؓ کی مرضی سے طے پایا تھا اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی حیثیت وجوبی نہیں تھی اور ثابتؓ اسے قبول کرنے کے پابند نہیں تھے اور یہ کہ اگر بحیثیت قاضی اللہ کے رسول ﷺ خلع دینے کے مختار تھے تو پھر انھیں خلع کے لیے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ خود ہی اس معاملہ کو حل کر دیتے۔ تو اس پورے واقعہ سے صرف ایک بات معلوم ہوتی ہے کہ خلع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قاضی پہلے خود شوہر سے خلع کرنے کے لیے کہے اور اس کی مرضی سے اس معاملے کو نپٹائے۔ یہ خلع کی بہتر شکل ہے، جیسا کہ فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں قاضی پہلے خود اسی سے طلاق کے لیے کہے گا۔ اگر وہ آمادہ نہ ہو تو خود تفریق کرا دے گا۔ خلع کے مسئلہ میں سوال یہ ہے کہ اگر شوہر قاضی کے کہنے پر طلاق دینے کے لیے آمادہ نہ ہو، تو کیا قاضی محض اس کی خوشامد پر اکتفا کرے گا اور عورت کو کرب اور بے چینی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دے گا اور اسے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کرے گا، یا نامردی وغیرہ کی طرح مقصدِ نکاح کو فوت ہوتا ہوا دیکھ کر عورت کے مطالبہ پر اسے الگ کر دے گا۔ اہم چیز ہر حال میں دونوں کو رشتۂ نکاح میں باندھ کر رکھنا ہے، یا مقصد نکاح کو برقرار رکھنا اور اللہ کے حدود کی نگہ داشت اور حفاظت ہے۔ ظاہر ہے کہ حدود اللہ کی پامالی کسی بھی حال میں گوارا نہیں ہے۔ اگر قاضی کے علم میں اس طرح کا کوئی معاملہ آئے تو وہ اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ میاں بیوی جب یہ معاملہ لے کر اس کے پاس آئیں تبھی وہ کوئی فیصلہ کرے، بلکہ وہ اپنے اختیار کا استعمال کرتے ہوئے از خود مداخلت کرے گا، چنانچہ علامہ ابن العربیؒ لکھتے ہیں:

واذا علم الامام من حال الزوجين الشقاق لزمه ان يبعث اليها حكمين ولاينتظر ارتفاعهما ، لان مايضيع من حقوق الله اثناء ما ينتظر رفعهما اليه لا جبر له۔[۱۰]

جب قاضی کو زوجین کے درمیان نااتفاقی کی اطلاع ملے تو اسے ان کے پاس حکمین کو بھیجنا ضروری ہے اور قاضی ان کے آنے کا انتظار نہیں کرے گا، کیونکہ ان کے آنے کے انتظار کے درمیان جو اللہ کے حقوق ضائع ہوں گے ان کی تلافی کی کوئی شکل نہیں ہے۔

اس لیے جب قاضی کو یہ محسوس ہو کہ عورت شوہر سے اس درجہ بیزار ہو چکی ہے کہ نباہ مشکل ہے تو وہ اس کے مطالبہ پر خلع کرادے گا، اس میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ بے زاری اور نفرت کی وجوہ اور اسباب کا پتہ لگائے۔ اس کے لیے بس یہ جاننا کافی ہے کہ عورت کے دل میں شوہر کی طرف سے نفرت جڑ پکڑ چکی ہے، اب ان دونوں کے درمیان نباہ مشکل ہے اور دونوں کو ایک ساتھ رکھنے کی صورت میں حدود اللہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ جاننے کے لیے قاضی اگر کوئی تدبیر اختیار کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ ایک خاتون نے ان کے پاس آکر اپنے شوہر کی شکایت کی اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے اسے نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ اچھی طرح رہنے کا مشورہ دیا، جسے اس نے قبول نہیں کیا۔ اس پر انھوں نے اسے ایک ایسی کوٹھری میں بند کردیا جس میں کوڑا کباڑ جمع تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد اسے نکالا اور پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا: قید خانے کے ان تین راتوں کے علاوہ مجھے کبھی راحت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس نفرت و کراہت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر سے کہا: تیرا ناس ہو، اسے خلع دے دے۔[۱۱]

نفرت و کراہت کے اسباب کی کھوج لگانا قاضی کے لیے ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ عورت کی بے زاری کی بہت سی ایسی وجہیں ہوسکتی ہیں جنھیں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر بیان کیا جائے تو دوسروں کی نگاہ میں وہ نفرت کے لیے کافی نہ ہوں، اس لیے قاضی کا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ نفرت پیدا ہوچکی ہے اور اس کی وجہ سے دونوں کو ساتھ رکھنے کی صورت میں حدود اللہ کی پامالی کا اندیشہ ہے۔

اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ ان دونوں کے درمیان اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نباہ ممکن ہے، تو پھر ان کے رشتہ داروں، پڑوسیوں یا دوسرے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر ان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کرے۔ اگر صلح کی شکل پیدا ہوجائے تو یہی مطلوب ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مصالحت کاروں کے مہیّا کردہ بیانات کو سامنے رکھ کر قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے۔[۱۲]

بہتر یہ ہے کہ مصالحت کاروں میں سے ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت سے متعلق ہو، کیونکہ غیر کے مقابلہ میں اپنوں سے اس بات کی زیادہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اس رشتہ کی اہمیت اور اس کی نزاکت کو پیش نظر رکھیں گے اور ہر ممکن مصالحت کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً۔ (النساء:۳۵)

اور اگر تمھیں دونوں کے درمیان کش مکش کا علم ہو تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کردو۔ اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا۔ بلا شبہ اللہ بڑا علم رکھنے والا اور ہر طرح باخبر ہے۔

شقاق کی تعریف

اس آیت میں مذکور لفظ 'شقاق' کا مفہوم یہ ہے کہ میاں، بیوی کے درمیان ایسی مخالفت اور ضد پیدا ہوجائے کہ باہم مصالحت دشوار نظر آجائے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الشقاق المخالفة، وكونك في شق غير شق صاحبک۔[۱۳]

'شقاق' اختلاف کا نام ہے، اس طور پر کہ ایک فریق ایک کنارے پر ہو اور دوسرا دوسرے کنارے پر۔

رشتوں میں تلخی اور مزاج میں اختلاف کی وجہ سے کش مکش اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حقوق

اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کر رہا ہو اور حدود اللہ کی پامالی کا خطرہ ہو تو اس کیفیت کو 'شقاق' کہا جائے گا۔[۱۴]

شقاق کی صورت میں حَکَمین کے اختیارات

حَکَمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح صورت حال کا پتہ لگائیں، ظالم و مظلوم کی شناخت کریں، ظالم کو ظلم سے روکیں اور مظلوم کی فریاد رسی کریں [۱۵] اور دونوں کے درمیان ہر ممکن طریقے سے مصالحت کرانے اور شقاق کو وفاق سے بدلنے کی کوشش کریں، لیکن اگر ان کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی ہے، دونوں میں موافقت کی کوئی صورت نہیں نکلتی ہے اور اندیشہ ہے کہ ساتھ رہنے کی صورت میں لڑائی جھگڑے کا ماحول بنا رہے گا، دونوں اللہ کے متعین کردہ حدود پر قائم نہیں رہیں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں حَکَمین دونوں کے درمیان تفریق کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت عطاؒ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حَکَمین کا کام صرف دونوں کے درمیان مصالحت کے لیے کوشش کرنا ہے، اس سے زیادہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، الّا یہ کہ میاں بیوی نے خوش دلی سے انھیں اس رشتہ کو باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار دیا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق حَکَمین کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے، وہ ان حدود میں رہ کر اقدام کر سکتے ہیں جو میاں، بیوی میں سے ہر ایک نے ان کے لیے متعین کر دیے ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، شعبیؒ، نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، اوزاعیؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حَکَمین کو میاں بیوی کی مرضی کے بغیر بھی ان دونوں کے درمیان تفریق کا حق حاصل ہے۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک قول اسی کے موافق منقول ہے۔[۱۶] علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔[۱۷] اس نقطہ نظر کے مطابق حَکَمین مکمل طور پر بااختیار ہوتے ہیں اور انھیں کوئی بھی فیصلہ لینے کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ میاں بیوی کے نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں مہر کی واپسی کے ساتھ یا اس کے بغیر تفریق کا اختیار رہے۔

حَکَمین کو وکیل قرار دینے والوں کے دلائل

جو لوگ حَکَمین کو میاں بیوی کا وکیل اور انھیں ان کی مرضی کا پابند قرار دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے اور ختم کرنے کا کلّی اختیار شوہر کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اس کی مرضی کے بغیر اس رشتہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرۃ: ۲۳۷)

اگر تم نے انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور مہر متعین کر چکے ہو تو جتنا تم متعین کر چکے ہو اس کا آدھا مہر واجب ہے، مگر یہ کہ وہ عورتیں خود معاف کر دیں، یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

اس آیت میں مذکور 'بیدہ عقدۃ النکاح' (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) سے مراد شوہر ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ کی سند سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ولی عقدۃ النکاح الزوج ۔[۱۸] عقدۃ النکاح کا مالک شوہر ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مہر مقرر ہونے کی صورت میں اگر شوہر ہم بستری سے پہلے بیوی کو طلاق دے دے تو مقرر مہر کا آدھا حصہ واجب ہے، البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ عورت اپنے حق سے بخوشی دست بردار ہو جائے اور آدھا مہر بھی نہ لے، دوسری صورت یہ کہ شوہر فیاضی سے کام لے اور جو مہر وہ دے چکا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے اور جو آدھا اسے واپس ملنا تھا اس سے بھی دست کش ہو جائے۔

جب نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے تو وہی اس کو باقی رکھنے یا کھول دینے کا اختیار رکھتا ہے، دوسرے کو اس کی مرضی کے بغیر دخل اندازی کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲- حضرت عبیدہؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس میاں بیوی اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئے۔ دونوں کے ساتھ لوگوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ ان لوگوں نے مرد اور عورت کی طرف

سے ایک ایک حَکَم کو متعین کیا۔ حضرت علیؓ نے حَکَمین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم جانتے ہو کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اگر ان دونوں میں مصالحت مناسب سمجھو تو مصالحت کرادو اور اگر تفریق مناسب سمجھو تو دونوں کو الگ الگ کردو۔ عورت نے کہا کہ میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، چاہے وہ میرے موافق ہو یا میرے خلاف۔ شوہر نے کہا کہ علیٰحدگی مجھے گوارا نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم، تم جھوٹے ہو، تم یہاں سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ، چاہے وہ تمہارے موافق ہو یا تمہارے خلاف۔ [19]

اگر حَکَمین کو علیٰحدگی کا اختیار ہوتا تو حضرت علیؓ کا شوہر پر علیٰحدگی کے لیے وکیل بنانے پر دباؤ ڈالنا بے معنیٰ ہوتا، شوہر راضی ہو یا ناراض حَکَمین کو جدائی کے لیے کہہ دیتے۔ شوہر کو مجبور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر تفریق نہیں ہوسکتی ہے۔ [20]

۳- اگر شوہر قاضی کے پاس آکر بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا اعتراف کرے تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں حَکَم بنانے سے پہلے قاضی کو علیٰحدگی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت آکر شوہر کی نافرمانی کا اقرار کرے تو قاضی اسے خلع لینے اور مہر واپس کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ تو جس طرح حَکَم مقرر کرنے سے پہلے شوہر کی مرضی کے بغیر علیٰحدگی اور عورت کی رضامندی کے بغیر مہر واپس نہیں لیا جاسکتا ہے، اسی طرح حَکَم مقرر کرنے کے بعد بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ جب قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے تو اس کی طرف سے مقرر کردہ حَکَمین کو یہ اختیار کیسے حاصل ہوگا۔ [21]

۴- شوہر اپنی بیوی سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے اور عورت اس کے دیے ہوئے مہر کی مالک ہوتی ہے۔ کسی حاکم اور قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر دوسرے کے حوالے کردے، کیونکہ خوش دلی کے بغیر دوسرے کے مال کو لینا حرام ہے، جس کی کتاب وسنت میں سخت ممانعت آئی ہے، لہٰذا عورت کی مرضی کے خلاف مہر واپس لینا اور شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے فائدہ اٹھانے کے حق کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ [22]

۵- قرآن کی کسی آیت اور رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حَکَمین یا قاضی کو اس صورت میں علیٰحدگی کا حق ہے۔ [23] قرآن میں صراحت ہے کہ حَکَمین کا

کام دونوں کے درمیان مصالحت اور موافقت پیدا کرنا ہے، (اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحاً) اس میں علاحدگی کے اختیار کا ذکر نہیں ہے۔[۲۴] حَکَمین کو صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے ظالم کو سمجھا بجھا کر ظلم سے باز رکھیں اور حاکم کو صورت حال سے باخبر کریں، تاکہ حَکَمین کی بات نہ ماننے پر وہ بہ زورِ قوت ظلم کو روک دے۔[۲۵]

۶- اگر میاں بیوی ان حَکَمین کو مکمل بااختیار وکیل بناتے ہیں تو ایسی صورت میں علاحدگی یا مصالحت ان کی صواب دید پر مبنی ہوتی ہے اور وہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، اس لیے ان کو حَکَم کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ علامہ قرطبیؒ اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عطاءؒ، ابوثورؒ، حسن بصریؒ اور علماء کوفہ کے نزدیک حَکَمین امیر اور حاکم کے نمائندے ہوتے ہیں، انھیں علاحدگی کا اختیار نہیں ہے، البتہ امیر اور امام علاحدگی کرا سکتا ہے، یا ان حَکَمین کو یہ اختیار دے سکتا ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے۔[۲۶]

حَکَمین کو بااختیار قرار دینے والوں کے دلائل

جو لوگ حَکَمین کو میاں بیوی کی رضا مندی کے بغیر بھی تفریق کا اختیار دیتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (النساء:۳۵)

اگر تم کو ان کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ایک حَکَم مرد و عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔

اس آیت میں حاکم اور قاضی کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں دونوں کی طرف سے ایک نمائندہ متعین کریں،[۲۷] اس نمائندہ کو حَکَم کہا گیا ہے، جس کے معنی فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اگران کی حیثیت محض وکیل اور ناصح کی ہوتی تو یہ لفظ استعمال نہ کیا جاتا، اس لیے کہ قرآن میں کسی شرعی اصطلاح میں اور خاص و عام کے عرف میں کہیں بھی وکیل کے لیے 'حکم' کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے، نیز حکم مقرر کرنے کا اختیار قاضی اور حاکم کو دیا گیا ہے۔ اگر یہ مرد وعورت کے وکیل ہوتے تو وہ دونوں خود ہی اپنا وکیل مقرر کرتے، اسے قاضی کے حوالے نہ کیا جاتا۔

علاوہ ازیں ان حَکَمین کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر وہ مصالحت کا ارادہ کریں (اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحاً) ان کی طرف ارادہ کی نسبت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی حیثیت وکیل کی نہیں ہے، اس لیے کہ وکیل اپنا ارادہ و اختیار نہیں رکھتا، بلکہ وہ موکل کے ارادہ و اختیار کا پابند ہوتا ہے۔ ۲۸

میاں بیوی کے درمیان حد سے گزرے ہوئے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے 'اصلاح' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے، جو یکجائی اور جدائی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اس اختلاف کی اصلاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دونوں کے درمیان اتفاق اور الفت ومحبت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور جو رشتہ ٹوٹنے کے کگار پر ہے، اسے جوڑ دیا جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ کر کے اختلاف ونزاع کو ختم کر دیا جائے، اس لیے کہ ساتھ رکھنے کی صورت میں مصالحت نہیں ہوسکتی ہے۔ ۲۹

۲- حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ میں اختلاف ہوا۔ فاطمہ نے حضرت عثمان سے شکایت کی، چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حکم بنا کر بھیجا اور کہا:

ان رأيتما ان تُجمَعا جُمِعتما وان رأيتما ان تُفَرَّقا فُرقتما۔	اگر تم دونوں انھیں ایک ساتھ رکھنا چاہو تو ایک ساتھ کردو اور اگر الگ کرنا چاہو تو الگ کردو۔

اسی واقعہ کے ضمن میں بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں دونوں کو الگ الگ کر کے رہوں گا اور حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں عبدمناف کے دو بزرگوں کے درمیان تفریق نہیں کروں گا۔ ۳۰

۳- حضرت علیؓ کے دور میں بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تو انھوں نے حکمین کو

رشتہ باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار دیا۔[۳۱]

یہ دونوں واقعات اس بات کے لیے واضح دلیل ہیں کہ حَکَمین مکمل بااختیار ہوتے ہیں۔ تفریق کے لیے انھیں کسی کی مرضی اور اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور کے واقعہ میں جب شوہر نے حَکَمین کی اس حیثیت کا انکار کیا تو انھوں نے دباؤ ڈال کر اس سے ان کی اس حیثیت کو منوایا۔ اگر تفریق کے لیے شوہر کی رضا مندی ضروری ہوتی تو دباؤ ڈالنا درست نہ ہوتا، اس لیے کہ جبر اور دباؤ کے ساتھ کوئی کام کرنے میں رضا مندی شامل نہیں ہوتی ہے۔

۴- الفت و محبت کے ساتھ رہنا نکاح کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ جب میاں بیوی کا اختلاف گھر کے آنگن سے نکل کر قاضی کی عدالت تک آجائے اور لڑائی جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش ناکام ہوجائے تو بہتر یہی ہے کہ دونوں کو الگ کردیا جائے، تاکہ یہ دونوں اور ان کے متعلقین سکون واطمینان کے ساتھ رہ سکیں اور ہر روز کی لڑائی جھگڑے سے نجات پاسکیں۔ جس طرح شوہر کے نامرد ہونے کی صورت میں قاضی کو تفریق کا اختیار ہوتا ہے، کیوں کہ نامردی کی صورت میں نکاح کا ایک مقصد فوت ہوتا ہے، اسی طرح حد سے گذرے ہوئے اختلاف کی شکل میں بھی نکاح کا مقصد باقی نہیں رہتا، اس لیے پہلی صورت کی طرح دوسری صورت میں بھی حَکَمین کو تفریق کا اختیار ہونا چاہیے۔[۳۲]

حاصل بحث

۱- نکاح ایک پاکیزہ اور مضبوط بندھن ہے، بلاوجہ اسے کمزور کرنے اور توڑنے کی کوشش غیر اخلاقی اور سخت ناپسندیدہ ہے۔

۲- عصمت و عفت کی حفاظت اور الفت و محبت اور سکون وطمانینت نکاح کے دو اہم مقاصد ہیں۔ اگر ان مقاصد کی پامالی کا اندیشہ ہو تو پھر یکجائی سے بہتر جدائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور اس مدت میں اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو خطرہ ہے کہ عورت فطری تقاضوں کی وجہ سے حدود اللہ کو توڑنے پر مجبور ہوجائے، اس لیے اس مدت کے گذرنے کے بعد از خود نکاح کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ زوجین

کے درمیان اختلاف ونزاع کی صورت میں قاضی کو مداخلت کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ حدود اللہ کی حفاظت رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے لیے اس رشتہ کی قربانی گوارا کرلی جائے گی۔

۳- شوہر اگر محسوس کرتا ہے کہ اس رشتہ کو باقی رکھتے ہوئے حدود اللہ کی حفاظت دشوار ہے تو اسے طلاق کے ذریعہ ختم کردینے کی اجازت دی گئی ہے، البتہ اس صورت میں اسے دیے ہوئے مہر سے دست بردار ہونا پڑے گا اور اگر یہی چیز عورت محسوس کرتی ہے تو اسے خلع کی شکل میں ایک قانونی حق فراہم کیا گیا ہے کہ وہ شوہر سے علیٰحدگی کا مطالبہ کرے۔ اگر شوہر اس پر راضی ہے تو اسے گھر کے اندر ہی طے کرلینا بہتر ہے، قاضی کے پاس جانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر شوہر راضی نہ ہو تو پھر عورت قاضی سے رجوع کرے گی۔ اگر قاضی کو معلوم ہو کہ اس رشتہ کو برقرار رکھتے ہوئے حدود اللہ کی پامالی کا اندیشہ ہے تو اسے عورت کے مطالبہ پر اس رشتہ کو ختم کردینا چاہیے، اس کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ عورت اس سے بے زار ہے اور اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بے زاری کی وجوہ واسباب کا پتہ لگانا ضروری نہیں ہے۔

اور اگر اسے امید ہو کہ ان کے درمیان کے اختلاف کو ختم کیا جاسکتا ہے اور اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچایا جاسکتا ہے تو وہ دونوں کے خاندانوں، پڑوسیوں یا دوسرے نیک اور معاملہ فہم لوگوں کے ذریعہ صلح کرانے کی کوشش کرے۔ اگر اس کوشش میں ناکامی ہو تو پھر ان مصالحت کاروں کے ذریعہ ان دونوں کو جدا کردینا چاہیے، جیسا کہ امام مالکؒ اور بعض دوسرے فقہاء کا نقطۂ نظر ہے، یا قاضی مصالحت کاروں کے بیان کی روشنی میں خود ہی اس رشتہ کو ختم کردے، اس لیے کہ جب قاضی کے ذیعہ بھیجے ہوئے حَکَمین کو یہ حق حاصل ہے تو قاضی کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔

۴- یہ صحیح ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، کوئی دوسرا اس سے اس اختیار کو چھین نہیں سکتا، لیکن یہ بھی انصاف اور عدل کے خلاف ہے کہ شوہر تو اس درجہ بااختیار ہو کہ وہ جب چاہے بے سبب اس رشتہ کو توڑ دے اور عورت کو اس درجہ بے بس بنادیا جائے کہ وہ کسی بھی طرح ایسے شخص سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکے، جس سے اسے شدید نفرت پیدا ہوچکی ہے اور اس کی وجہ سے حدود اللہ متاثر ہورہے ہوں، سکون واطمینان رخصت ہوجائے اور عصمت وعفت کا

جنازہ نکل جائے۔ اسلام میں اس طرح سے کسی کو مطلق حق اور اختیار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ تمام حقوق اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ان کے استعمال میں ظلم و جور اور حدود اللہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۵- قاضی اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ حدود اللہ کی نگہ داشت کرے اور اسے پامالی سے بچائے اور جہاں کہیں اس کا اندیشہ ہو وہاں از خود مداخلت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کے متعدد معاملات میں تمام فقہاء کے نزدیک قاضی کو تفریق اور فسخِ نکاح کا حق حاصل ہے۔

حواشی و مراجع

۱ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، ۱۴۶۹

۲ رواہ اصحاب السنن وحسنہ الترمذی وصحّحہ الالبانی، جمع الفوائد، مکتبہ الرشد، کویت، ۲۰۰۵ء، ص۶۵۴

۳ عمدۃ القاری، ۱۴/ ۳/ ۲۷

۴ البحر الرائق، ۴/ ۱۱۹

۵ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ، ۵۲۷۳

۶ نیل الاوطار، ۶/ ۲۸۶، سبل الاسلام، ۳/ ۱۶۷

۷ رواہ الدارقطنی باسناد صحیح، نیل الاوطار، ۶/ ۲۴۷، اعلاء السنن، ۱۱/ ۲۲۲

۸ سنن النسائی، کتاب الطلاب، باب عدۃ المختلعۃ، ۳۴۹۷

۹ احکام القرآن، ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص، دار الکتاب العربی لبنان، ۱/ ۳۹۵

۱۰ احکام القرآن، ۱/ ۵۴۳

۱۱ تفسیر ابن کثیر، دار عالم الکتب الریاض، ۱۹۹۷ء، ۱/ ۳۴۱

۱۲ دیکھیے الروضۃ الندیۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱/ ۴۵۰

۱۳ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، ص۲۶۴، علامہ شامی نے لکھا ہے: الشقاق وھو الاختلاف والتخاصم، رد المحتار، ۵/ ۸۷

۱۴ جامع البیان عن تاویل آی القرآن، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۴/ ۳۷

۱۵۔ دیکھیے المغنی، ابن قدامہ، ۱۰/۲۶۳

۱۶۔ دیکھیے المغنی، ۱۰/۲۶۴، زاد المعاد، ۵/۱۹۰

۱۷۔ تفسیر ابن کثیر، ۱۰/۶۰۳، شوافع اور حنابلہ کی ایک بڑی تعداد نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے زاد المحتاج، ۳/۳۳۳، الانصاف، ۲۱/۴۸۲

۱۸۔ دیکھیے تفسیر قرطبی، ۳/۲۰۶، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی ایک مرفوع حدیث اسی معنی میں منقول ہے، جس کی سند حسن ہے۔ دیکھیے روح المعانی، ۲/۱۵۴۔ علامہ ابن جریر طبری وغیرہ نے بھی اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے، تفسیر طبری، ۲/۳۱۸

۱۹۔ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۷، وقال: ہذا اسناد ثابت صحیح

۲۰۔ دیکھیے احکام القرآن للجصاص، ۲/۱۹۲

۲۱۔ حوالۂ مذکور

۲۲۔ حوالۂ مذکور

۲۳۔ لیس فی الآیۃ ولا فی شئ من السنن ان للحکمین ان یفرقا وان ذالک للحاکم، المحلی، ۱۰/۸۷

۲۴۔ کتاب الام، ۵/۱۹۴

۲۵۔ احکام القرآن للجصاص، ۲/۱۹۳

۲۶۔ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۶، عمدۃ القاری: ۱۴/۲۸۰

۲۷۔ قال ابن بطال: اجمع العلماء علی ان المخاطب بقوله تعالی اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا الحکام، فتح الباری، ۳/۴۷۷، نیز اوجز المسالک، ۱۱/۳۶۲

۲۸۔ دیکھیے زاد المعاد، ۵/۱۹۰

۲۹۔ اِنْ يُّرِيْدَا ای الحکمان اِصْلاحاً ای قطعاً للخصومة وهذا شامل للصلح والفراق، اوجز المسالک: ۱۱/۲۶۳

۳۰۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، ۱/۶۰۳، زاد المعاد، ۵/ ۱۹۱، زاد المعاد کے محقق نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۳۱۔ تفسیر قرطبی، ۵/۱۲۷، زاد المعاد، ۵/ ۱۹۱، قال محققہ: واسنادہ صحیح

۳۲۔ دیکھیے احکام القرآن، ابن العربی، ۱/ ۴۲۵، فتح الباری، ۳/۴۷۷

☆☆☆